

ادبی تنقید

اور

اُسلوویات

گوپی چند نارنگ

پروفیسر اردو، دہلی یونیورسٹی

نیشنل فیلو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

© پروفیسر گوپی چند نارنگ

پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت کے حقوق جناب انتظار حسین کے نام محفوظ ہیں۔

**ADABI TANQEED
AUR USLOOBIYAT**
by
GOPI CHAND NARANG

1st Edition 1989
11nd Edition 2001
ISBN 81-85360-48-0
Price. Rs.200

کتاب کا نام	ادبی تنقید اور اسلوبیات
مصنف	پروفیسر گوپی چند نارنگ
سنہ اشاعت	اول ۱۹۸۹ء
سنہ اشاعت	دوم ۲۰۰۱ء
قیمت	۲۰۰ روپے
مطبع	کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by
Educational Publishing House
3108, Gali Vakil , Kucha Pandit , Lal Kuan Delhi-6(India)
Ph.: 3216162, 3214465 Fax:91-011-3211540
E-Mail: eph@onebox.com

نئی غزل کا جوان مرگ شاعر: بانی

کسے معلوم تھا کہ نئی غزل کا طہدار اور تازہ گو شاعر بانی اتنی جلدی موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کی شب میں دہلی کے ہولی فمیلی ہسپتال میں بانی نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اب جبکہ بانی اس دنیا میں نہیں ہے، چند سوانحی شخصی حقائق کو محفوظ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، بانی کا پورا نام، راجندر منچند تھا۔ وہ نومبر ۱۹۳۲ء میں ملتان میں پیدا ہوئے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہیں تقسیم کی موج بہا کر دہلی لے آئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ دہلی کی ادبی، ثقافتی زندگی کے طوفان اور ہلکوں اور دلولہ خیزلوں میں بانی خوب خوب شریک رہے۔ چوڑا ناک، نقشہ، کھلتا ہوا رنگ، گٹھا ہوا کسرتی بدن، آج سے چند برس پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا با صحت و نمونہ نوجوان دکھتے ہی دکھتے گھل گھل کر اپنی اصل کا نقش موہوم بھی نہیں رہ جائے گا، اور عین اس وقت جب اس کی غزل کی تازگی اور طہداری شباب پر ہوگی، موت کی پرچھائیں اس کو گھیر لے گی۔ بانی نے ایم۔ اے۔ معاشیات میں کیا تھا اور جب تک صحت نے ساتھ دیا، وہ ڈیرہ اسماعیل خاں برادری کے ایک معمولی اسکول میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ کئی برس سے گٹھیا اور گردوں کی شدید تکلیف کی وجہ سے وہ رخصت پر تھے اور انتقال کے وقت ان کی عمر انچاس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ اگرچہ مرض انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا اور کیسا کیسا دکھ بانی نے نہ اٹھایا ہوگا، موت کا لرزنا ہوا بھیا ناک سایہ، دوستوں کی بے التفاتی، اپنوں اور

بریگانوں کی بے توجہی، چھوٹے چھوٹے بچے، سہارے معدوم، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جانا سب خواب و خیال، کون سا دکھ ہے جس کا سامنا بانی نے نہ کیا ہوگا، لیکن حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ آیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ نئی غزل کی کیسی کیسی ممتاز شخصیتیں کم عمری میں جدا ہو گئیں، ناصر کاظمی، ابنِ اشا، خلیل الرحمن اعظمی، شکیب جلالی اور اب بانی۔ ان سب نے اپنے اپنے طور پر کشتِ شعر کو سرسبز و شاداب رکھا، اور نئی فصلوں کا پتہ دے گئے۔ بانی کا پہلا مجموعہ ”حرفِ معتبر“ ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا ”حسابِ رنگ“ ۱۹۷۶ء میں منظرِ عام پر آیا تھا، اور تیسرا ”شفقِ شجر“ ۱۹۸۳ء میں پس از مرگ شائع ہوا۔



بانی کے لہجے کی تازگی اور توانائی اور خود اعتمادی کے دفور نے جس کا اظہار رشتہٴ متکلم پر اصرار سے جڑا ہوا تھا، بہت جلد سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ وہ ایسے غزل گو کی حیثیت سے سامنے آئے تھے جسے اپنے ذہن و شعور اور زبان و ذات پر پورا بھروسہ تھا، ہجوم سے الگ رہ کر قدم بڑھانے کا حوصلہ ان میں شروع سے تھا۔ ان کی فکری جولانی اور جودِ طبع بہت جلد انھیں تعقل کی اُن کھلی فضاؤں میں لے آئی، جہاں ذہن و احساس حیات و کائنات کے ازلی سُروں کے زیرِ دہم سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ بانی کی شاعری محبت کی جسمانیت یا اس کے جذباتی رومانی پہلو سے بڑی حد تک پہلو تہی کرتی ہے۔ نئی غزل کے شعرا میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر ہو، جس نے جسم و جمال کے تذکرے اور حواس کی تھرتھراہٹوں سے اس حد تک صرفِ نظر کیا ہو، اور اس کے باوجود اپنی غزل کو نگاہوں کا مرکز بنالیا ہو۔ بانی صحیح معنوں میں نئی غزل کے نوکلاسیکی شاعر ہیں۔ ان کے بیشتر معاصرین نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ان کے یہاں ”جذبہٴ احساس و فکر و فن کا ایسا فطری استحلال پایا جاتا ہے کہ ذہن اس کی پیچیدگی پر عیش و عشرت تو کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے اجزا کو پوری طرح تحلیل مشکل ہی سے کر سکتا ہے۔“ یہ بات کسی بھی اچھی شاعری کے لیے کہی جاسکتی ہے کیونکہ تخلیقی عمل کے تمام اجزا کی تحلیل ممکن نہیں، اور کسی بھی تخلیق کے تمام مضمرات تک پہنچنا شاید کسی کے بھی بس کی بات نہیں۔ تاہم اس کے امتیازی عناصر تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہے اور اس سے کسی شاعر کی انفرادیت یا شعری مزاج کی پہچان کا مسئلہ وابستہ ہے، اس سلسلے میں بانی کی بعض غزلوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے :

ہم ہیں، منظر سیہ آسمانوں کا ہے
 اک عتاب آتے جاتے زمانوں کا ہے
 ایک زہر اب غم، سینہ سینہ سفر
 ایک کردار سب داستانوں کا ہے
 کس مسلسل افق کے مقابل ہیں ہم
 کیا عجب سلسلہ امتحانوں کا ہے
 پھر ہوئی ہے ہمیں میٹوں کی تلاش
 ہم ہیں، اڑتا سفر اب ڈھلانوں کا ہے
 کون سے معرکے ہم نے سہ کر لیے
 یہ نشہ سا ہمیں کن تکانوں کا ہے
 سب چلے دور کے پانیوں کی طرف
 کیا نظارہ کھلے بادبانوں کا ہے

ان اشعار میں آسمانوں اور زمانوں کا ذکر، سینہ سینہ سفر، مسلسل افق، امتحانوں کا سلسلہ،
 نئی میٹوں کی تلاش، اڑتا سفر، اندھی اڑانوں کا شوق، معرکے سر کرنے کی آرزو، دور کے پانیوں
 اور کھلے بادبانوں کے معنوی انسلالات توجہ طلب ہیں۔ ان میں نئے امکانوں کی جستجو کی ایک شدید
 فکری خلش ہے، لیکن ممکن ہے کہ یہ کیفیت صرف اسی غزل سے مخصوص ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ
 بانی کے کلام کے بعض اور حصوں کو بھی دیکھا جائے :

سیر شبِ لامکاں اور میں
 ایک ہوئے رفتگاں اور میں
 سانسِ خلاؤں نے لی، سینہ بھر
 پھیل گیا آسماں اور میں

سر میں سلگتی ہوا، تشنہ تر
 دم سے اُلجھتا دھواں اور میں
 دونوں طرف جنگلوں کا سکوت
 شور بہت درمیاں اور میں
 خاک دخلا بے چراغ اور شب
 نقش دنوا بے نشاں اور میں

یکنخت محسوس ہوتا ہے کہ ہم کھلی فضا میں آگئے ہیں اور زمین و آسمان کی لا محدود وسعتوں سے
 گلے مل رہے ہیں۔ سیرِ شبِ لامکاں، خلاؤں کا سانس لینا، آسمان کا پھیل جانا، جنگلوں کے سکوت کا
 شور، خاک دخلا کا شب میں بے چراغ ہونا، نقش دنوا کا بے نشان ہو جانا اور بے کرائی کے اس تناظر
 میں سر میں سلگتی ہوا اور دم سے اُلجھتے دھوئیں میں تنگ و تاز کا عمل اور ”اسمِ ابد کی تلاش طویل“ کا سلسلہ ہونا
 کیا ان اشعار کی تخلیقیت میں زمین و آسمان کی وسعتوں سے ہم کلامی کی کوشش فراواں کی وہی کیفیت
 نہیں ملتی جو پہلی غزل میں سامنے آئی تھی۔ غزل کے اشعار میں کسی کیفیت کا مسلسل ملنا اس کی خامی
 نہیں، خوبی ہے۔ پہلی غزل ان کے مجموعے ”حسابِ رنگ“ کے شروع سے لی گئی تھی، دوسری غزل
 نسبتاً وسط سے تھی۔ اب ایک غزل آخر سے بھی دیکھ لی جائے :

ہمیں، پسکتی ہوا پر سوار، لے آئی
 کوئی تو موج تھی دریا کے پار لے آئی
 وہ لوگ جو کبھی باہر نہ گھر سے جھانکتے تھے
 یہ شب انھیں بھی سر رہ گزار لے آئی
 افق سے تابہ افق پھیلتی بکھرتی گھٹا
 گئی رتوں کا چمکتا غبار لے آئی
 میں دیکھتا تھا شفق کی طرف، مگر تہلی
 پروں پر رکھ کے عجب رنگ زار لے آئی

زمین و آسماں کا جو ربط و تعلق پہلے کی دو غزلوں میں تھا، وہ یہاں مطلع میں موج و دریا اور ہوا میں ہے، اس کے علاوہ اس غزل کی معنویت میں موسم اور صبح و شام کے رنگین پیکروں کو بھی خاصا دخل ہے، انفق تا برافق پھیلنا، بجھرتی گھٹا، رتوں کا چمکتا غبار، اُداس شام کی یادوں بھری سلگتی ہوا، شفق، تسلی، رنگ زار، یہ سہی رنگت زمین اور آسمان دونوں کے بنیادی رشتے سے پوری طرح مربوط ہے۔ بانی کے کلام سے کسی غریبیں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جن کی بنیادی کیفیت یہی ہے۔ اس سلسلے میں ذیل کے اشعار پر بھی نظر ڈال لی جائے جن میں بانی کی تخلیقیت کو بھرپور اظہار کے مواقع میسر آئے ہیں:

خاک و خوں کی وسعتوں سے باخبر کرتی ہوئی
اک نظر امکاں ہزار امکاں سفر کرتی ہوئی

پاؤں تلے آنچ سی تشنہ زمینوں کی تھی
سر پہ نظارہ عجب اڑتے سحابوں کا تھا

کچھ نہ کچھ میرا یہاں چاروں طرف بکھرا ہوا ہے
پھول سے ہتھاب تک سب سلسلہ محفوظ کر لے

خود چاک باطن خبر ایک لمحہ
عالم بہ عالم سفر ایک لمحہ
لرزاں ہے کبے لہو کے انق پر
زہراب میں تر بہ تر ایک لمحہ
پھیلے خلاؤں میں دیکھا کیے ہم
ڈھونڈا کیے ہم دگر ایک لمحہ

کیا ان اشعار کی روح میں جھانکنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی تڑپ ہے جو کسی گھٹن سے نکل کر کھلی فضا میں بے پناہ ہو جانا چاہتی ہے یا تخیل کی کوئی موج بے تاب ہے جو سیرِ شبِ لامکاں کے لیے نکل کھڑی ہوئی ہے۔ سفر کے لفظی اور معنوی انسلالات میں اندھا سفر، اڑتا سفر، سینہ سینہ سفر، راستہ خیمہ گرد، نیر اڑان کے ساتھ آزاد اڑانوں، اونچی اڑانوں، کھلے آسمانوں اور خلاؤں کے سینہ بھرنا پس لینے کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ نئے پانیوں، امکان کی موجوں، کراں تا کراں پھیلی ہوئی فضاؤں ریتوں اور رنگوں اور جسموں کی من مانی کی تمثالیں ذہن کو آسمانوں کے نیچے کھلی فضاؤں میں لے جاتی ہیں، لیکن آزادہ روح جس اور تحریک کی اس بنیادی کیفیت کو رد کرتی ہوئی ایک اور کیفیت بھی بانی کے یہاں ملتی ہے۔ یہ اتنی زیادہ نمایاں تو نہیں لیکن اتنی کم نمایاں بھی نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ دوسری کیفیت کاوش و خلش کے بنیادی جذبے سے بُری طرح ٹکراتی ہے:

کیا کہوں کیا تھی اڑان خود میں خبر میں نہ تھا
گم شدگی کے سوا کچھ بھی سفر میں نہ تھا
آج دکھائی دیا جانے یہ کیا فاصلہ
تجھ کو خبر اس کی ہو، میری نظریں نہ تھا
ادھ کھلی کھڑکی سے ہم وسعتیں دیکھا کیے
گھر سے نکلتے نہ تھے، چین بھی گھر میں نہ تھا
سارے مکاں، لامکاں خالی و بے نقش تھے
برق، خلا میں نہ تھی، سانپ کھڑکی میں نہ تھا
ریت بنی خود سراب رنگ بنا خود گلاب
کوئی بھی منظر کہ خواب، میرے اثر میں نہ تھا

اڑان، سفر، فاصلہ، وسعتیں، مکان، لامکاں، خلا، یہ سارے تلامذات تو اسی بنیادی کیفیت کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں جو اس سے پہلے کے اشعار میں سامنے آچکی ہے، یعنی سفر، رُئی رشتوں اور اڑان آسمانی رشتوں کی خبر دیتی ہے، لیکن اس غزل میں چند اور معنیاتی نشان نما

بھی ہیں جن سے ایک متضاد کیفیت ابھرتی ہے، مثلاً گم شدگی، مکان و لامکان
کا خالی و بے نقش ہونا، برق کا خلا میں اور سانپ کا کھنڈر میں نہ ہونا اور ان سب سے بڑھ کر ریت،
سراب اور منظر و خواب کا اثر میں نہ ہونا، یہ تمام استعارے اور پیکر کیفیت سے مملو ہیں :

آج اک لہر بھی پانی میں نہ تھی
کوئی تصویر روانی میں نہ تھی
دولہ مصرعہ اول میں نہ تھا
حرکت مصرعہ ثانی میں نہ تھی
کوئی آہنگ نہ الفاظ میں تھا
کیفیت کوئی معانی میں نہ تھی
خوش یقینی میں نہ تھا اب کوئی نور
ضو کوئی خندہ گمانی میں نہ تھی

ایک اور غزل کا مطلع ہے :

عکس کوئی کسی منظر میں نہ تھا
کوئی بھی چہرہ کسی در میں نہ تھا

بانی کے یہاں دھند، دھواں، غبار، دود کی استعاراتی تکرار بھی اسی معنوی حواسگی کے
ساتھ ہے، ان غزلوں کو مزید دیکھیے :

میں ایک بے برگ و بار منظرِ کمرِ مہنہ میں سنسناہٹ تمام بچ پوش اپنی آواز کا کفن ہوں
محاذ سے لوٹتا ہوں نصف تن سپاہی میں اپنا ٹوٹا ہوا عقیدہ اب آپا اپنے لیے وطن ہوں

دریدہ منظرِ می کے سلسلے گئے ہیں دُور تک
پلٹ چلو نظر اُڑے زوال کرنا پاؤ گے

خاک میں خوشبو نہ تھی، گلیوں میں جگنو نہ تھے
خالی دہلیز تھے ہم، شہر خدا بوں کا تھا

اک دھواں ہلکا ہلکا سا پھیلا ہوا ہے افق تا افق
ہر گھڑی اک سماں ڈوبتی شام کا ہے افق تا افق
سینکڑوں دشتیں چمکتی پھر رہی ہیں کراں تاکراں
آسمان نیلی چادر سی تانے پڑا ہے افق تا افق

بانی نے صاف صاف بھی کہہ دیا ہے :

اندر اندر یک بیک اٹھے گا طوفانِ نفی
سب نشاطِ نفع، سب رنجِ ضرر لے جائے گا

”حرفِ معتبر“ کے بیشتر نقادوں نے ”نظارہ لائٹنیت“ کو بانی کا ”مقدر“ کہا تھا اور ان کے اشعار کی مدد سے زندگی کی لاطائلیت کے ادراک و احساس کو فخریہ پیش کیا تھا۔ ہمارے نزدیک بانی کے بارے میں اس سے زیادہ غلط بات کہی نہیں جاسکتی۔ بلاشبہ ان اشعار کی حاوی کیفیت منفیت کی ہے، لیکن ان کو بانی کے تمام کلام سے الگ کر کے دیکھنا غلطی ہوگی۔ اگر انھیں بانی کی پوری شاعری سے مربوط کر کے دیکھا جائے تو اس سوال کا جواب آسانی سے دیا جاسکتا ہے کہ اس طوفانِ نفی کی اصل نوعیت کیا ہے اور جس سلسلہ فکر کا یہ ایک مقام ہے، اس کی اس سے پہلی اور اس سے اگلی کڑی کیا ہے۔ مثال کے طور پر اسی پہلے مطلع کو لیجیے! میں ایک بے برگ و بار منظر... کفن ہوں وطن ہوں، اور اس کا مقابل اسی غزل کے مقطع سے کیجیے :

عدمِ زوال ایک تیرگی ہے کسی افق سے سحر نہ ہرگز طلوع ہوگی کہاں تلک منتظر رہو گے!
کہ میرے سینے میں لاکھوں شمعوں سا ہے الاؤ مجھی سے یہ روشنی نکالو کہ اک یہاں میں ہی شبِ شکن ہوں

نیز ان ہم غزل اشعار کا معنوی مقابل بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

نہ منزلیں تھیں، نہ کچھ دل میں تھا، نہ سر میں تھا
عجب نظارہ لا سمیتِ نظم میں تھا
ہماری آنکھ میں آکر بنا اک اشک، وہ رنگ
جو برگِ سبز کے اندر، نہ شاخِ تر میں تھا

دن کو دفتر میں اکیلا، شب بھرے گھر میں اکیلا
میں کہ عکسِ منتشر، ایک ایک منظر میں اکیلا
بولتی تصویر میں اک نقش لیکن کچھ ہٹا سا
ایک حرفِ معتبر، لفظوں کے لشکر میں اکیلا

سربسہ ایک چمکتی ہوئی تلوار تھی میں
موجِ دریا سے مگر برسرِ پکار تھی میں
میں کسی لمحہ بے وقت کا اک سایہ تھا
یا کسی حرفِ تہی اسم کا اظہار تھی میں

محراب نہ تبدیل، نہ اسرار نہ تمثیل
کہ اے درقِ تیرہ، کہاں ہے تری تفصیل
آساں ہوئے سب مرحلے اک موجبِ پاسے
برسوں کی فضا ایک صدا سے ہوئی تبدیل

اس طرح نارسانی بھی کب تھی، یہ کیا امتحاں ہے
گاہ بنجر صدا، گاہ پامال چُپ درمیاں ہے

دیکھ اک بوندِ خوں کے بکھرنے کا نایاب منظر
رُت بدلتی ہے گلُسنار ہوتا ہوا آسماں ہے

نغمی اور اثبات کی اس کشمکش کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ان اشعار کو
مزید ملاحظہ کر لیا جائے :

مرے بدن میں گچھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
اک اور ذات میں ڈھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
مری صدائے سہی، ہاں مرا لہونہ سہی
یہ موج موج اچھلتا ہوا سا کچھ تو ہے

اک گلُ تر بھی شر سے نکلا
بسکہ ہر کام ہنسہ سے نکلا
بیں ترے بعد پھراے گم شدگی
خیمہ گرد سفر سے نکلا
اے صفِ ابر و دال تیرے بعد
اک گھنا سا یہ شجر سے نکلا

پتہ پتہ بھرتے شجر پر ابر برستادیکھو تم
منظر کی خوش تعمیری کو لمحہ لمحہ دیکھو تم

سیاہ خانہ امید رائگاں سے نکل
کھلی فضا میں ذرا آغبارِ جاں سے نکل

آسماں کا سرد سناٹا یکھلتا جائے گا
آنکھ کھلتی جائے گی منظر بدلتا جائے گا
پھیلتی جائے گی چاروں سمت اک خوش رونقی
ایک موسم میرے اندر سے نکلتا جائے گا

لرزاں ہے کب سے لہو کے افق پر
زہراب میں تر بہ تر ایک لمحہ

دیکھیے کیا کیا ستم موسم کی من مانی کے ہیں
کیسے کیسے خشکِ خطے منتظرِ پانی کے ہیں

اس تند سیاہی کے پگھلنے کی خبر دے
دے پہلی ازاں رات کے ڈھلنے کی خبر دے
اے ساعتِ اول کے ضیا ساز فرشتے
رنگوں کی سواری کے نکھلنے کی خبر دے
طار کو دے آزاد اڑانوں کی فضائیں
کھسار کو دریا کے اچھلنے کی خبر دے
سب کو سفر و سمت پسندی کا دے مُردہ
اب گھاٹ کی سب کشتیاں چلنے کی خبر دے

”نظارہ لاسمیت“ سے سفر و سمت پسندی کا مُردہ “تک شاعر کے تخلیقی سفر کا انتہائی
امکانات کے نظر میں آجانے کے بعد اب یہ کہنا مشکل نہیں کہ یہ نفی اثبات کی کاوش ہی کے بطن
سے پیدا ہوتی ہے۔ کیا اس منزل پر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر شعورِ حقیقت کے موجودہ منظر نامے

سے شدید طور پر نا آسودہ ہے۔ علوم عقلیہ نے انسان کو جس آشوب آگہی میں مبتلا کیا ہے، کیا شاعر اس سے مایوس و غیر مطمئن نظر نہیں آتا اور رسمیا تی علوم کی تند سیاہی پر تخلیقی ذہن کی فتح کو کیا وہ رنگوں کی سواری کے نکلنے اور گھاٹ کی سب کشتیوں کے چلنے سے تعبیر نہیں کرتا۔ شاعر جب اپنی شخصیت کی خود فریبی کے طلسم کو بے دردی سے شکست کرنے پر قادر ہے تو وہ آگہی کی رسمیات سے باغیانہ سلوک کیوں کرنے رو رکھے گا۔ اونچی اڑان، آزاد اڑان، کھلی فضاؤں، پھیلتے خلاؤں، سفر اڑاتے سفر کی مرکزیت سے پہلے بحث کی جا چکی ہے۔ یہاں مزید یہ بات غور طلب ہے کہ بانی کی شاعری میں آشوب زدہ آگہی کے منظر نامے سے گریز و انحراف کی سب سے متحرک علامت ”طائر“ یا ”پرندے“ کی صورت میں ابھرتی ہے :

اڑ چلا وہ اک جدا خاکہ لیے سر میں اکیلا
صبح کا پہلا پرندہ آسمان بھر میں اکیلا

ڈھانپ دیا سارا آکاش پرندے نے
کیا دلکش منظر تھا پر پھیلا نے کا

نہ جانے کل ہوں کہاں ساتھ اب ہوا کے ہیں
کے ہم پرندے مقاماتِ گم شدہ کے ہیں

مست اڑتے پرندوں کو آواز مت دو کہ ڈر جائیں گے
آن کی آن میں سارے اوراقِ منتظر جائیں گے

طائر کو دے آزاد اڑانوں کی فضا میں
کہہ سار کو دریا کے اُچھلنے کی خبر دے

پزندے کی علامت بانی کی شاعری میں زمین اور آسمان کے ربط و تعلق کو بھی ظاہر کرتی ہے کیونکہ پرواز کسی مقام سے شروع ہوتی ہے، فضا میں یہ کتنی ہی بلند ہوا ختم پذیر پھر کسی مقام پر ہوتی ہے۔ اب یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ بانی کی شاعری موجود سے لاموجود کی طرف، مکان سے لامکان کی طرف اور واقعے سے امکان کی طرف مسلسل آمد و رفت کی شاعری ہے۔ یہاں آمد و رفت دونوں کی معنویت پر زور ہے۔ یہ گریز محض یا پرواز محض کی شاعری نہیں جو ذات یا حقیقت سے روگردانی کے مترادف ہے۔ نیز آسمانوں کی وسعت و بیکرائی کی طرف راجع ہونے سے مراد خود کا زوال بھی نہیں، ورنہ یہ مادرائی شاعری کی طرح استعجاب اور گم شدگی سے عبارت ہوتی اور اس سپردگی اور رلبودگی کو راہ دیتی جو صوفیانہ شاعری کی پہچان ہے۔ اسی لیے میرے نزدیک بانی کی غزل کو مادرائی احساس کی غزل کہنا مناسب نہیں۔ نہ ہی میں اسے رسمی معنوں میں تجریدی کہنے کے لیے تیار ہوں۔ بانی کے تخلیقی عمل میں مرکز (NUCLEUS) اور محیط (CIRCUMFERENCE) دونوں

کی اہمیت ہے۔ ان کے فکر و احساس کی جان طبیعی (PHYSICAL) نظام اور مابعد الطبیعی (METAPHYSICAL) نظام کا وہ بنیادی رشتہ ہے جو مرکز اور محیط میں بھی ہے، یعنی محیط کو بغیر مرکز کے اور مرکز کو بغیر محیط کے نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ بانی کا تخیل موجود و معدوم اور مکان و لامکان کی دونوں انتہاؤں کے درمیان (اگر کوئی انتہا انتہا ہے تو) مصروف سفر رہتا ہے اور یہ سفر عبارت ہے آسمانی رشتوں کے اعتبار سے تجسس سے اور زمینی رشتوں کے اعتبار سے تحرک اور توجہ سے۔ بانی کی غیر شخصی شاعری میں جو نئے معنوی افق سامنے آئے ہیں یا جو نئی تخلیقی جہت سامنے آئی ہے، وہ فکر و احساس کے اسی سفر سے مربوط ہے۔ یہ شاعری ذات کو آفاق کے اور آفاق کو ذات کے وسیلے سے دریافت کرتی ہے، اور زمینی اور آسمانی عناصر کی متصادم اور متقابل قوتوں کے اس بنیادی رشتے سے ہم آہنگی اور ہم کلامی کی خواہاں ہے جو تخلیق کائنات کا اور اس ہنگامہ ہستی کا سب سے بڑا راز ہے۔

(۲)

اس مضمون کے شروع میں محبت کی جہانیت سے صرف نظر کرنے کا ذکر آیا تھا، فقط اتنا ہی نہیں بلکہ انسانی تعلقات کی دھوپ چھاؤں بھی بانی کا موضوع نہیں۔ ان کے یہاں انسانی تعلقات کا جو بھی تذکرہ ملتا ہے وہ قطع تعلق کے بعد کی کیفیتوں کا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بانی کا ذہن اتنا بیدار،

ان کی انا اتنی بے قرار اور ان کی نظر اتنی بے تاب ہے کہ وہ انسانی رشتوں کو اپنی حد بنانے کے لیے تیار نہیں۔ اکثر دہشتہ وہ تجربات کو اپنی حدود سے ماورا ہو کر پیش کرتے ہیں اور ان کے جذبات میں غلبہ و تحمل اور بھڑک کی کیفیت ہے۔ ذیل کی قبیل کے اشعار ان کے دونوں مجموعوں میں بہت کم ہیں۔ اسی سے اندازہ ہوگا کہ وہ دلی واردات کو کس طرح بیکسر محو کر سکتے ہیں اور اس وادی سے کیسے مرتب و منضبط ذہن کے ساتھ گزرتے ہیں :

وہ ٹوٹے ہوئے رشتوں کا حسن آخر بھٹا
کہ چپ سی لگ گئی دونوں کو بات کرتے ہوئے

آج کیا لوٹے لمحات میسر آئے
یاد تم اپنی عنایات سے بڑھ کر آئے

میں چپ کھڑا تھا تعلق میں اختصار جو تھا
اسی نے بات بنائی وہ ہوشیار جو تھا

کہیں نہ آخری جھونکا ہو مٹتے رشتوں کا
یہ درمیاں سے نکلتا ہوا سا کچھ تو ہے

اے دوست میں خاموش کسی ڈر سے نہیں تھا
قائل ہی تری بات کا اندر سے نہیں تھا

متاع وعدہ سنبھالے رہو کہ آج بھی شام
وہاں سے ایک نیا انتظار لے آئی

اندازِ گفتگو تو بڑے پُر تپاک تھے
اندر سے قربِ سرد سے دونوں ہلاک تھے

کب سے بھٹکتے ہیں باہم الگ
لمحہ کم مہرِ بال اور میں!

اگرچہ ذیل کا شعر جواب نہیں رکھتا :

دک رہا تھا بہت یوں تو پیسہ من اُس کا
زرا سے لمس نے روشن کیا بدن اُس کا

لیکن جسمانیت کا رسیا تہی پہلو بانی کے یہاں تقریباً مفقود ہے، البتہ ”حسابِ رنگ“ کی
دو تشبیہی غزلیں اس ضمن میں قابلِ غور ہیں :

لباس اس کا علامت کی طرح تھا
بدن، روشن عبارت کی طرح تھا
فضا صیقلِ سماعت کی طرح تھی
سکوت اس کا امانت کی طرح تھا
ادا موجِ تجسس کی طرح تھی
نفس، خوشبو کی شہرت کی طرح تھا
بساطِ رنگ تھی مٹھی میں اس کی
قدم اس کا بشارت کی طرح تھا
نصو پر حسنا بکھری ہوئی تھی
سماں آغوشِ خلوت کی طرح تھا

صدائے دل، عبارت کی طرح تھی
 نظر شمع شکایت کی طرح تھی
 بہت کچھ کہنے والا چپ کھڑا تھا
 فضا اُجلی سی حیرت کی طرح تھی
 کہا دل نے کہ بڑھ کے اس کو چھو لوں
 ادا خود ہی اجازت کی طرح تھی

لباس کو علامت، بدن کو عبارت، یاد اکو مونج تحسّس اور نفس کو خوشبو کی شہرت کہنے سے
 ذہن معاً موجود اور مہموم یا مکان اور لامکان کے اسی رشتے کی طرف جاتا ہے جس کی وضاحت بانی
 کے تخلیقی عمل کے سلسلے میں پہلے کی چاچکی ہے۔ فضا اور سماعت یا سکوت اور امانت یا قدم اور بشارت
 یا سماں اور آغوش خلوت یا نظر اور شمع شکایت میں مجرّد و غیر مجرّد یا جاندار کا وہی ربط و تضاد ہے جو
 زمین اور آسمان میں یا نفی اور اقرار میں ہے۔ عالمی عناصر کے باہمی رشتوں کی باطنی وحدت کا احساس بانی
 کے تخلیقی عمل کا ایسا پہلو ہے کہ مجرّدات کو غیر مجرّدات میں اور غیر مجرّدات کو مجرّدات کے آئینے میں
 دکھانا اس کے معمولات میں سے ہے۔ ذیل کے دو عمدہ اشعار کی لطافت اور تہ داری بھی اسی تخلیقی
 تشکیل پسندی کی بدولت ہے :

میں خلاؤں میں اُترتا ورق تیرے اقرار کا ہوں
 نقش جس پر تیرے بوسے اولیں کا نشان ہے

ہو اُمیں زور سے چلتی تھیں ہنگامہ بلا کا تھا
 میں سناٹے کا پسیر منتظر تیری صدا کا تھا

(۳)

شاعری میں احساس و نظر کی تازگی زبان و اظہار کی ندرت کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی

معنی آفرینی کے عمل لفظوں کے تخلیقی استعمال کے عمل سے الگ کر کے دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔ اتنی بات واضح ہے کہ زبان و بیان پر بانی کی گرفت مضبوط ہے اور انھوں نے اپنی تخلیقی قوت سے جو مستحکم پیرائے اظہار وضع کیا ہے، وہ غزل کی خارجی اور داخلی مہیت میں مطابقت کا ضامن ہے۔ لہجے کی تازگی اور معنی کی نادرہ کاری دراصل لاکھوں بار کے برتے ہوئے لفظوں کو نئے سیاق و سباق میں نئے نئے انسلکات کے ساتھ لانے میں ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اوپر کے اشعار میں سامنے آچکی ہیں۔ یہاں لہجے کی انفرادیت کے بعض دوسرے پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، مثلاً بانی کے فن کا ایک خاص پہلو ان کی خوش ترکیبی ہے۔ ان کا شعری وجد ان نئے معنی اور نئے مفہام کا ساتھ دینے کے لیے نئی ترکیبوں اور نئے مرکبات کو برابر تراشتا رہتا ہے، مثلاً :

صد حساب آرزو، محراب ہوا، مفہوم فراداں، باب تصور، بوسہ بے ساختہ، رمز آشنائے تجسس، شمع شکایت، لمحہ کم مہرباں، لمحہ خندہ حواس، لمحہ لرزاں، لمحہ بے وقت، لمحہ خالی، لمحہ رائگاں، نشاط نفع، موج امکانی، بے گانہ نفع و ضرر، طلسم کاری آغاز داستان، طلسم خانہ رنگ، منظر بے چہرگی، قرب سرد، حرف تہی اسم، عکس منتشر، ہلاک ہوا، خیمہ گرد سفر، سیاہ خانہ امید رائگاں، خنس جسم و جان۔

رنگ زار، عدم تاثیر لہجہ، خوش تعاون، ہمت پسندی، وفا قائم، کپاسی برف، شب شکن، زود قائل، برابر قدم دوست، خوش تعمیری۔

بات صرف مرکبات ہی کی نہیں بانی الفاظ کی تکرار سے بھی کام لینا جانتے ہیں۔ وہ بعض معمولی معمولی لفظوں کی تکرار سے بھی فضا کی بے کرائی کو یا معنی کے بسط کو یا کیفیت کی گیرائی کے احساس کو بڑھا دیتے ہیں۔ خاص خاص الفاظ کی تکرار مثلاً پارہ پارہ ہونا، کھڑے کھڑے اکتا جانا یا ٹکڑے ٹکڑے ہونا زبان کے معمولات سے ہے، لیکن بانی بعض ایسے لفظوں کو بھی مکرر لاتے ہیں جو پہلے اس طرح استعمال نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک نئے معنیاتی عمق اور کشادگی کو راہ دیتے ہیں جو پیرائے اظہار کی لطافت میں اضافے کا باعث بنتی ہے :

بانی شکن شکن سا تمہارا دروں بھی ہے
کچھ پارہ پارہ سا ہے تمہارا لباس بھی

یہ رات گزرے تو دیکھوں طرف طرف کیا ہے
ابھی تو سب کچھ میرے لیے آسمان میں ہے!

فصیل شب سے عجب جھانکتے ہوئے چہرے
کرن کرن کے پیاسے ہوا ہوا کے ہیں

وہ خاک اڑانے پڑے تو سارے دشت اس کے
چلے گدا ز قدم تو چمن چمن اس کا!

وہ روز شام سے شمعیں دھواں دھواں اس کی
وہ روز صبح اُجالا کرن کرن اس کا

اک بوند میرے خوں کی اڑی تھی طرف طرف
اب سارے خاکداں میں چمک بھی ہے باس بھی

طرب طرب ساری لذتوں میں
میں زہر کی دھار ہوں سزا دے

اب ہے بانی فضا فضا محروم
گو نجست ہے مکان مکان خالی

کراں کراں نہ سزا کوئی سیر کرنے کی
سفر سفر نہ کوئی حادثہ گزرنے کا

بانی کے پیرائے اظہار میں فارسی تراکیب تراشی کے ساتھ پراکرتی فعل سازی کی طرف بھی توجہ پائی جاتی ہے۔ مرکبات اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسمیہ احساس سے مملو ہوتے ہیں اور افعال اگر اسمی پیکروں سے مرتب ہوئے ہیں یعنی اسم جمع فعل (اور یہ اسم ایک یا ایک سے زائد ہو سکتے ہیں) تو ایسے افعال فعلیہ احساس سے متشکل ہوتے ہیں۔ شعری وجدان اپنی تازہ کاری کے لیے جب جب عمل کے کسی سلسلے یا اس کے کسی پارے کا سہارا لیتا ہے تو فعلیہ اظہار میں ڈھل جاتا ہے۔ یہاں فعلیہ احساس کے تصور کی تفصیل کی گنجائش نہیں، لیکن اتنا طے ہے کہ بانی زمینی اور آسمانی رشتوں کی بے پایابی کے اعتبار سے اور مجرد و غیر مجرد پیکروں کے اعتبار سے اسمیہ احساس کے شاعر ہیں، اسی لیے ان کے یہاں شے نما تراکیب سازی کی اہمیت زیادہ ہے، لیکن فعلیہ احساس نے بھی کہیں کہیں ایسے شعر کہلوائے ہیں جن میں ذہن ایک تازہ اور نئے اسلوب سے متعارف ہوتا ہے:

فضا کہ پھر آسمان بھڑھتی
خوشی سفر کی اڑان بھڑھتی
افق کہ پھر ہو گیا منور!
لکیر سی اک کہ دھیان بھڑھتی
وہ اک فسانہ زبان بھر تھا
یہ اک سماعت کہ کان بھڑھتی
کھلا سم کہ چاند بھر تھا
ہوا کہ شب بادبان بھڑھتی
نہ لوٹ پایا، وہ جانست تھا
کہ واپسی درمیان بھڑھتی

فضا کو آسمان بھر کہنا یا سفر کی خوشی کو اڑان بھر کہنا یا سماعت کو کان بھر، سمندر کو چاند بھر اور ہوا کو بادبان بھر کہنا فعلیہ احساس کا کرشمہ ہے جس نے شعری عمل میں تازگی احساس اور

لہجے کے نئے پن کی راہ کھول دی ہے۔ ایسے اشعار اسلوب و احساس کی ندرت کا عجوبہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ ذیل کے اشعار کا معنیاتی فشار فطریہ احساس ہی کی بدولت ہے۔ شعر کا پورا معنیاتی ڈھانچہ اسی پر کما ہوا ہے۔ خط کشیدہ الفاظ اس کے منظر ہیں:

تو کوئی غم ہے تو دل میں جگہ بنا اپنی،
تو اک صدا ہے تو احساس کی کہاں سے زبکل

قدم زمیں پہ نہ تھے راہ ہم بدلتے کیا
ہوا بندھی تھی یہاں پیٹھ پر سنبھلتے کیا

کوئی بھولی ہوئی شے طاق ہر منظر پہ رکھی تھی
ستارے چھت پہ رکھے تھے شکن بستر پہ رکھی تھی

لرز جاتا تھا باہر جھانکنے سے اس کا تن سارا
سیاہی جانے کن راتوں کی اس کے در پہ رکھی تھی

کہاں کی سیر ہفت افلاک اوپر دیکھ لیتے تھے
حسین اجلی کیا سی برف بال و پر پہ رکھی تھی

یہ اسلوبیاتی تازہ کاری معنیاتی تازہ کاری سے الگ وجود نہیں رکھتی۔ بانی کی غنزل دونوں سطحوں پر جو اصلاً باہم دگر مروط و مخلوط ہیں، اپنی انفرادیت کا حق تسلیم کر لیتی ہے۔ اس کی ضامن ان کی معنیاتی اور لسانی نظر ہے جو زندگی اور زبان کو اپنے طور پر برتنے اور اس کے گونا گوں اسالیب و مظاہر کو اپنے طور پر سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بانی نہ شخصیت کی خود فریبی کا شکار

ہیں نہ طلسم خانہ ذات کے اسیر، وہ زمینی اور آسمانی دونوں رشتوں سے بیک وقت وابستگی کے شاعر ہیں۔ اگر وہ صرف زمینی رشتوں کے شاعر ہوتے تو جسمانیست کی رنگینیوں کی داستانیں سناتے اور اگر صرف آسمانی رشتوں کے شاعر ہوتے تو ماورائی بلندیوں میں کھو جاتے۔ وہ شعورِ حقیقت کے موجودہ منظر نامے سے انحراف ضرور کرتے ہیں لیکن صرف اس لیے کہ آگہی کی نئی دھتوں سے ہم کلام ہو سکیں۔ ان کے یہاں نفی کا تاثر اسی لیے پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بغیر اثبات کی کوئی وقعت نہیں۔ اس شاعری کو زمینی رشتوں یا آسمانی رشتوں کے الگ الگ خانوں میں رکھ کر دیکھنا مناسب نہیں۔ بانی کے یہاں زمین زمین کے لیے یا آسمان آسمان کے لیے یا اقرارِ بنداہ یا انکارِ بنداہ اہم نہیں بلکہ اہم فن کا وہ باہمی رشتہ ہے جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھا ہی نہیں جاسکتا یا ایک کا وجود دوسرے کے بغیر بے مصرف و بے معنی ہے۔ بانی کی شاعری متقابل عالمی قوتوں کے ہمہ گیر ربط و تعلق کے احساس و ادراک کی شاعری ہے جو اپنے تخلیقی تجسس، تحرک اور متوجہ کے پر پرواز سے بے کراں ہو جانا چاہتی ہے۔ اس شاعری میں ذات کو آفاق سے اور آفاق کو ذات سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کے وسیلے سے پرکھنے اور پہچاننے کی راہیں کھلتی ہیں، اور یہی وہ نئی شعری جہت ہے جس کے ذریعے سے بانی نے نئی غزل کو نئی بشارت دی۔